مطالعۂ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانفال

آیت : ۱

احمدہٗ واصلی علی رسولہ الکریم امّا بعد.

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم' بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ٥

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ٥

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہیں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آپس کے تعلقات کو درست کرو' اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانتے رہو' اگر تم (فی الواقع) مومن ہو!"

سورۃ الانفال کی پہلی آیت اور اس کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ دس رکوعوں میں منقسم اور پچھتّر آیات پر مشتمل سورۃ الانفال مصحف کی آٹھویں اور ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے دوسری مدنی سورت ہے۔ اس لیے کہ پہلی مدنی سورت سورۃ البقرہ ہے جس کی اکثر و بیشتر آیات ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک کے زمانے میں نازل ہوئیں۔ جب کہ سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی اور غالب گمان یہ ہے کہ پوری کی پوری بیک وقت ایک نہایت مربوط اور مرتّب خطبے کی

© rasailojaraid.com

صورت میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم!! ـــــ مضامین کے اعتبار سے بھی سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں ایک گہرا ربط ہے۔ مسلمانوں کو "اذنِ قتال" تو اگرچہ پہلے ہی سورۃ الحج کی اس آیت کے ذریعے مل چکا تھا کہ: اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ o یعنی جن لوگوں پر ظلم کیا جاتا رہا ہے اور جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے آج انہیں بھی اذنِ قتال دیا جا رہا ہے لیکن باقاعدہ "حکم قتال" پہلی بار سورۃ البقرہ ہی میں نازل ہوا۔ چنانچہ اس کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ میں اہلِ ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کا تاکیدی حکم بھی ملا اور اس ضمن میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئیں۔ پھر آیات نمبر ۲۱۶ اور ۲۴۴ میں قتال کی مزید تاکید وارد ہوئی، اور اس کے بعد آیات ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے وہ واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ وارد ہوئے، جن کے نتیجے میں ان کی عظمت و سطوت کے دَور کا آغاز ہوا اور اس ضمن میں طالوت اور جالوت کی جنگ کا ذکر ہوا جو گویا بنی اسرائیل کی تاریخ کی جنگِ بدر تھی۔ اور اس طرح مسلمانوں کو متنبّہ کر دیا گیا کہ اب تم بھی "جنگِ بدر" کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سورۃ البقرۃ کے آخر میں آتی ہے وہ دعا جو مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ پیش آنے والے سخت مراحل میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور نصرت و تائید طلب کرو ـــ ان الفاظِ مبارکہ کے ساتھ کہ:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ج وَ اعۡفُ عَنَّا وَ اغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا ج اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ o

"اے رب ہمارے، مت مواخذہ فرما ہم سے اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا کا صدور ہو جائے، اے پروردگار مت ڈال ہم پر وہ بوجھ جو تو نے ڈالے اُن پر جو ہم سے پہلے

© rasailojaraid.

بھے، اور نہ ہی ڈال ہم پہ وہ بار جس کی ہم میں طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرما اور
ہم پر اپنی مغفرت کا سایہ کر اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا حامی و مددگار ہے، پس مدد فرما
ہماری کافروں کے مقابلے میں!"

سورۃ البقرہ تو ان پیشگی ہدایات و تلقینات پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد پیش آتا ہے وہ معرکہ جو تاریخ میں غزوۂ بدر کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس کے فوراً بعد نازل ہوتی ہے سورۃ الانفال جو کُل کی کُل مشتمل ہے غزوۂ بدر سے متصلاً قبل، اس کے دوران اور اس کے فوراً بعد کے حالات و واقعات کے بیان اور ان پر حکیمانہ تبصرے پر اور جس کا آغاز ہوتا ہے جنگ میں مسلمانوں کی شاندار اور معجزنما کامیابی کے نتیجے میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے ذکر سے، جن کے بارے میں یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا کہ یہ اصلاً کس کا حق ہیں اور ان کی تقسیم کس طور سے ہو۔

یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک عظیم معرکے پر تبصرے کے ضمن میں دوسرے اہم تر واقعات پر مالِ غنیمت کے تذکرے کو مقدّم کر دیا گیا۔ لیکن اگر یہ حقیقت پیشِ نظر رکھی جائے کہ قرآن بالعموم خطبات کے اسلوب پر نازل ہوا ہے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد اگر کوئی خطیب خطبہ دیتا تو وہ لازماً آغاز اُس مسئلے سے کرتا جو اُس وقت فوری طور پر درپیش تھا، اس لیے کہ خطیب اور اس کے مخاطبین کا تعلق بڑا عجیب ہوتا ہے۔ خطیب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو اپنے ساتھ ایک ذہنی سفر میں شریک کرے۔ اب اگر اس کے مخاطبین کے ذہنوں پر اُس وقت کوئی اور مسئلہ چھایا ہوا ہو اور وہ اسے نظر انداز کر کے کسی اور بات سے اپنی گفتگو شروع کر دے تو اس کے مخاطبین ادھر متوجّہ ہی نہیں ہوتے اور اس طرح خطیب تو آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، لیکن مخاطبین اپنی جگہ پر کھڑے رہ جاتے ہیں اور سفر کا آغاز ہی نہیں کرتے، اور خطبہ کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ خطیب آغاز

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

اسی مسئلے سے کرے جو فی الوقت مخاطبین کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہو۔ اس کے بعد اگر حکمت متقاضی ہو تو خطیب گفتگو کے رُخ کو دوسری جہتوں میں موڑ سکتا ہے ـــــ چنانچہ یہی اسلوب ہے جو سورۃ الانفال کے آغاز میں اختیار کیا گیا کہ اموالِ غنیمت کے اجمالی ذکر کے فوراً بعد گفتگو کا رُخ دوسرے اہم موضوعات کی جانب مڑ گیا اور پھر پوری چالیس آیات کے بعد کلام کا رُخ دوبارہ اس موضوع کی طرف ہوا۔ آیت زیرِ درس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اموالِ غنیمت کے مسئلے کی نزاکت کو پوری طرح پیشِ نظر رکھا جائے۔

قدیم زمانے سے جنگوں کے بعد دشمن سے حاصل ہونے والے اموال و اسباب کے بارے میں دو ہی باتیں عملاً رائج چلی آ رہی تھیں۔ ایک یہ کہ یہ سب بادشاہ یا سپہ سالار کی ملکیت قرار پاتے اور دوسرے یہ کہ جو مال جس سپاہی کے قبضے میں آ جاتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھتا تھا، جس کے نتیجے میں فوری طور پر چھینا جھپٹی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی تھی اور مستقل طور پر تنافس و عداوت کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تھا۔ رہا کذب و اخفاء اور سرقہ و خیانت کا معاملہ تو وہ تو گویا لازمی تھا ہی! ـــــ اب اس حقیقت پر غور فرمایئے کہ غزوۂ بدر اسلام اور کفر کے مابین پہلا مسلح تصادم تھا، اور ابھی تک جنگ اور اس سے پیدا شدہ مسائل کے ضمن میں کوئی احکام و قوانین قرآن میں نازل نہیں ہوئے تھے، لہٰذا بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں اس ضمن میں اپنے ملک اور اپنے معاشرے کے عام رواج کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی تو کفّار و مشرکین کے اموال و اسباب میں سے جو جس کے ہاتھ لگا وہ فطری طور پر اسے اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا۔ ادھر بعض اصحاب وہ تھے جن کے سپرد خصوصی خدمات تھیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وغیرہ۔ یہ حضرات اپنے کاموں میں منہمک رہے اور مالِ غنیمت جمع نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ ایسے حضرات بھی تھے جو دشمن کے قدم اکھڑ جانے کے بعد ان کے تعاقب میں رہے، مبادا وہ اپنی پراگندہ جمعیت کو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دوبارہ مجتمع کر کے پھر حملہ آور ہو جائیں۔ ایسے حضرات کے لیے ظاہر ہے کہ اموالِ غنیمت جمع کرنے کا کوئی موقع سرے سے تھا ہی نہیں! لیکن عقل و منطق کے ہر قاعدے اور کلیئے کی رُو سے ان حضرات کا حق دوسروں سے زائد ہی بنتا تھا!!

الغرض یہ تھی وہ نہایت پیچیدہ اور نازک صورتِ حال جس کے پس منظر میں شہنشاہِ ارض و سماوات نے اپنے شاہانہ خطبے یعنی سورۃ الانفال کا آغاز فرمایا، اور اس مقولے کے مصداق کہ: "کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ" (یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے!) حکمت، جامعیّت، تاثیرِ کلام اور فصاحت و بلاغت سب اپنے کمال و انتہا کو پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلے ہی لفظ یعنی "انفال" میں جس سے اموالِ غنیمت کو تعبیر کیا گیا ہے۔ "انفال" نفل کی جمع ہے اور نفل عربی زبان میں کہتے ہیں اصل سے زائد کو، جیسے اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے فضل، عدل سے بڑھ کر ہے احسان، اور فرائض سے زائد ہیں نوافل۔ کسی جنگ میں فتح کے نتیجے میں حاصل شدہ اموال و اسباب کو "انفال" سے تعبیر کرنا واقعہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کی معراج سے ہرگز کم نہیں، اس لیے کہ یہ حقیقتِ ایمان کے لیے صد فی صد درست ہے ہی، عام دنیوی و انسانی سطح پر بھی بالکل صحیح ہے، کیونکہ جنگ سے اصل مقصود فتح ہوتی ہے نہ کہ مالِ غنیمت اور وہ لڑائی جنگ نہیں لوٹ مار کہلاتی ہے جس سے اصل مقصود ہی مال حاصل کرنا ہو۔ جنگیں قوموں اور حکومتوں کے مابین لڑی جاتی ہیں اور ان سے کم از کم مقصود غلبہ و استیلاء ہوتا ہے، گویا ان جنگوں کے اعتبار سے بھی مالِ غنیمت کی حیثیت ثانوی ہے جس کی تعبیر کے لیے عربی کا لفظ "انفال" بہت ہی موزوں ہے!

رہی بندۂ مومن کی جنگ تو اس سے اس کی اپنی ذاتی غرض تو کوئی وابستہ ہوتی ہی نہیں۔ اس کا اصل مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ دنیا میں بھی اگر کچھ مطلوب ہے تو صرف یہ کہ اللہ کا دین نافذ و غالب ہو اور اللہ کے بندے کفر و شرک کے

© rasailojaraid.c

اندھیاروں سے نکل کر نورِ ایمان میں آجائیں اور ملوک و سلاطین کے ظلم و ستم کے شکنجے سے رہائی پاکر اسلام کے عدل کے سایہ میں آرام پائیں اور اس سعی و جہد کے نتیجے میں نصیب یاور ہو تو بندۂ مومن مرتبۂ شہادت حاصل کر لے ورنہ کم از کم فریضۂ شہادت علی النّاس کے اعتبار سے سرخرو ہو جائے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!

گویا قتال فی سبیل اللہ سے بندۂ مومن کا مقصود و مطلوب صرف شہادت ہے (مذکورہ بالا دونوں اعتبارات سے)۔ مالِ غنیمت کا تو کیا سوال اسے تو کشور کشائی بھی اپنے یا اپنی قوم کے لیے ہرگز مطلوب نہیں۔ الغرض بندۂ مومن کے لیے تو اموالِ غنیمت صد فی صد "انفال" کے حکم میں ہیں۔

اموالِ غنیمت کو "انفال" قرار دینے کے بعد اس آیۂ مبارکہ میں ان کے بارے میں جو فیصلہ وارد ہوا یعنی یہ کہ وہ اصلاً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہیں، وہ بھی حکمتِ قرآنی کا ایک نادر نمونہ ہے، اس لیے کہ وہ لفظِ "انفال" کا منطقی نتیجہ ہونے کے علاوہ غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کے اعتبار سے بھی صد فی صد درست ہے، کیونکہ تین سو تیرہ بے سر و سامان لوگوں کے ہاتھوں، جن کی اکثریت انصارِ مدینہ سے تعلق رکھتی تھی، جنہیں ان کے مدِّمقابل قریشِ مکہ لڑاکا اور جنگجو قوموں کی فہرست میں جگہ دینے ہی کو تیار نہ تھے، ایک ہزار کیل کانٹے سے لیس قریشِ مکہ کے سورماؤں کا اس طرح پٹ جانا کہ وہ ستّر لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اسباب و علل اور ان کے نتائج و عواقب کے عادی سلسلہ کی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت و تائید کا ظہور تھا۔ گویا یہ جنگ اہلِ ایمان نے نہیں اللہ تعالیٰ نے لڑی تھی، بفحوائے الفاظِ قرآنی: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (اے مسلمانو! انہیں تم نے نہیں قتل کیا، اللہ نے قتل کیا ہے!) لہٰذا یہ اموالِ غنیمت بھی اصلاً تمہارا حق نہیں، اللہ اور اس کے رسول کا حق ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں ان سے متمتّع ہونے کی اجازت مرحمت فرما دے! چنانچہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

وہ اجازت آیت نمبر ۱۴ میں وارد ہو گئی کہ اللہ نے کل مالِ غنیمت کا صرف پانچواں حصّہ یعنی خُمس اپنے اور اپنے رسولؐ کے لیے محفوظ فرما کر بقیہ مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دے دی۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حصّہ بھی اصلاً معاشرے کے کمزور اور نادار افراد کا حصّہ ہے، ورنہ اللہ خود تو غنی ہے ہی، اُس کے رسولؐ نے بھی اختیاری فقر کو اپنا طریق قرار دے رکھا ہے ــــــ بفحوائے الفاظِ نبویؐ: "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ!"

اہم معاملات کے ضمن میں یہ انداز کہ پہلے ایسی بات کہی جائے جس سے مسئلے کی جڑ ہی کٹ جائے اور پھر شریعت کا حکم سنایا جائے، جو اپنے اصل تناظر میں ہلکا پھلکا اور اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا مظہر نظر آنے لگے قرآن میں اور مقامات پر بھی اختیار کیا گیا ہے مثلاً سورۃ البقرہ میں تحویل قبلہ کے ضمن میں پہلے چودھویں رکوع میں مسئلے کی جڑ ہی کاٹ ڈالی گئی یہ کہہ کر کہ: لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ (یعنی مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، تم جدھر بھی رُخ کرو گے اُدھر اللہ ہی کا رُخ ہو گا!) ــــ اور سترھویں اور اٹھارویں رکوع میں تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو اس کو قبول کرنے کے لیے اذہان پہلے سے پُوری طرح تیار ہو چکے تھے۔

آیت زیرِ درس کے آخر میں مسلمانوں کو متوجّہ کیا گیا کہ مالِ غنیمت پر توجّہ دینے کی بجائے اپنی توجہات کو مرتکز کرو اصل اہمیّت کے حامل اُمور کی جانب جو تین ہیں: اوّلاً اللہ کا تقویٰ جو دین کی جان ہے، دوسرے آپس میں رشتۂ محبّت و اخوّت کی استواری جس سے تم "بُنیانِ مرصوص" بن سکو گے۔ اور تیسرے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت جس سے حیاتِ دینی کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ آخری الفاظ یعنی: "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔" میں مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کو اپیل کیا گیا، یعنی یہ کہ اگر تم واقعۃً مومن ہو تو تمہارے لیے اصل اہمیّت مالِ غنیمت کی نہیں بلکہ ان تین چیزوں کی ہونی چاہیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com